© rasailojaraid.com

جناب عباد اللہ فاروقی

فقہ میں شاہ ولی اللہؒ کا مقام

شاہ ولی اللہؒ کی اساسی تربیت فکری میں ان کے والد شاہ عبدالرحیم صاحب کو مرکزی حیثیت حاصل ہے کیونکہ شاہ صاحبؒ نے فقہ اور دیگر علوم شاہ عبدالرحیم ہی سے حاصل کیے۔ شاہ عبدالرحیم فتاویٰ عالمگیری کے مصنفین میں سے ایک عالم ہیں۔ اس لحاظ سے حضرت شاہ ولی اللہؒ کے کمالات علمی عالمگیر کے دور کا نتیجہ ہیں۔ شاہ صاحبؒ اپنے والد شاہ عبدالرحیمؒ کی وفات کے ۱۲ سال بعد تک دہلی میں درس و تدریس میں مشغول رہے۔ اس کے بعد جب وہ حجاز گئے تو وہاں شیخ ابوطاہر شافعی اور شیخ تاج الدین حنفی کی صحبتوں سے مستفید ہوئے۔ ان کی صحبت کا یہ نتیجہ ہوا کہ شاہ صاحب نے حجاز پہنچ کر فقہ شافعیہ اور حنفیہ کو ایک درجہ پر مانا اور ان دونوں میں مؤطا امام مالکؒ کو امر مشترک قرار دیا۔

فقہ کی ابتداء اور اس کے ارتقائی مراحل

عہدِ رسالت و صحابہ کرامؓ میں نہ تو کوئی حدیث کی کتاب لکھی گئی اور نہ ہی فقہی مسائل یا احکام کو کسی صحابی نے جمع کیا۔ نہ کسی اور علم کے اصول و قواعد اس وقت معین ہوئے۔ اس زمانے میں صورت یہ تھی کہ اصحاب نبوی جیسا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کرتا دیکھتے، ویسا ہی خود کرتے۔ چونکہ اصحاب میں سے ہر ایک کو آپ کی خدمت میں ہر وقت حاضر رہنے کا موقع نہ ملتا اس لیے انہیں ایک دوسرے سے دریافت کرنے کی ضرورت پیش آتی۔ جو شخص صحابہ میں سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہ کر اس سے زیادہ واقف ہوا وہی زیادہ ممتاز فقیہ کہلایا۔

دورِ رسالت کے بعد جب صحابہ کا زمانہ آیا۔ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیکھی اور آپ سے

© rasailojaraid:com

© rasailojaraid.com

سنی ہوئی باتوں پر عمل کرتے رہے لیکن اگر کوئی نئی بات پیش آتی تو منصوصاتِ کتاب وسنت پر عمل کیا جاتا اور ان کی روشنی میں اس کا حل تلاش ہوتا۔ اس زمانے میں لوگ بالعموم صحابہ ہی کو فقہا سمجھتے اور شرعی معاملات میں ان کی طرف رجوع کرتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرامؓ دور دراز ملکوں میں منتشر ہو گئے تھے۔ جہاں بھی وہ پہنچے وہ اپنا علم حدیث اپنے ساتھ لے گئے۔ ان کی حیثیت بستیوں اور شہروں میں ائمہ کی تھی۔ لوگ اپنے اپنے شہر اور محلہ کے علماء (یعنی صحابہ) سے امورِ دینی کی تحقیق کیا کرتے تھے۔ انہیں سے انہوں نے احادیث نبوی اور مسائل شرعی کو سیکھا۔ اگرچہ اصحابِ نبیؐ اس زمانے میں فقہا کا کام بھی سرانجام دے رہے تھے۔ لیکن ان میں باہمی اختلاف نہ تھا۔ ایک شہر کا فقیہ دوسرے شہر کے فقیہ سے کسی قسم کا بغض نہ رکھتا تھا۔ بلکہ ان کی کوشش یہ تھی کہ دین کی اشاعت کی جائے۔ غرض صحابہ کرام کے عہد میں فقہی مسائل میں اختلاف کی راہ نہیں کھلی تھی اور فقیہ ہونا دلائل منطقی کے جاننے اور اصول فلسفہ سے واقف ہونے پر منحصر نہ تھا اور نہ اس زمانے کے لوگوں کو تفقہ کا اظہار منظور تھا۔ لوگ سیدھی سادھی روزمرہ کی باتوں کے لیے اپنے شہر کے عالم سے مسائل دریافت کر لیا کرتے تھے۔

جب صحابہ کا زمانہ گزر گیا تو ان کی جگہ علمائے تابعین اپنے اپنے شہر کے عالم اور محدث قرار پائے۔ اس زمانے میں لوگ اپنے اپنے شہر اور بستی کے امام کی بیان کی ہوئی احادیث اور شرعی مسائل روایت کرتے۔ اس طرح ہر شہر کے آدمی اپنے ہی شہر کے فقیہ مفتی اور محدث کے قول پر عمل کرتے اور اس سے فتوے لیتے اور علم سیکھتے۔ چنانچہ مکہ، مدینہ، کوفہ، اور بصرہ کے فقہا اور محدثین الگ الگ تھے جن کے اصول اور اجتہاد کی وہاں کے لوگ تقلید کیا کرتے تھے۔

یہ صورت دوسری صدی کے وسط تک یعنی ۱۴۳ھ تک قائم رہی اور لوگوں نے شرعی مسائل میں اگرچہ اپنے اپنے امام کی پابندی کی لیکن ان کے درمیان کسی قسم کا کوئی اختلاف پیدا نہ ہوا۔ مگر بعد میں وہ زمانہ شروع ہوا جس میں فقہ کے مذاہبِ اربعہ کی بنیاد پڑی۔

فقہ کے مذاہبِ اربعہ

تبع تابعین کے زمانے میں حدیث وفقہ کی تعلیم کی صورت تو وہی تھی جو تابعین کے دور میں تھی۔ لیکن اس زمانہ میں مسلمانوں کی تعداد کافی بڑھ گئی تھی۔ اور نئے نئے ملک ... میں ان کے درمیان اختلافات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیدا ہوگئے تھے۔ ان حالات میں لوگ اصول وقواعد کے منضبط کرنے اور اجتہاد و استنباط اور استخراج کے قاعدے ترتیب دینے کی طرف راغب ہوگئے۔

سب سے پہلے حنفی مذہب کی بنیاد پڑی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو اجتہاد اور ورع میں کسی کو شک نہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے شہر کے امام وفقیہ ابراہیم نخعی کی احادیث، اقوال اور روایات پر اپنے مذہب کی بنیاد قائم کی اور انہیں کے قائم کردہ اصول پر جزئیاتِ مسائل کا استخراج کرنا شروع کیا۔ غرض جب امام ابوحنیفہؒ نے فقہ کی تدوین کی تو فقہائے کوفہ نے ان کے اجتہاد کو قبول کر کے ان کے استخراجی مسائل پر عملدرآمد شروع کر دیا۔ قاضی ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے اگرچہ فروعات میں امام ابوحنیفہ سے اختلاف کیا لیکن اصول میں انہوں نے ان کی پوری تقلید کی۔ حنفی مذہب امام ابوحنیفہ کے مذکورہ دو شاگردوں کی وجہ سے عراق اور خراسان و ماوراالنہر میں پھیل گیا۔

حنفی مذہب کے بعد مالکی مذہب فقہ کی بنیاد پڑی۔ امام مالکؒ حدیث اور فقہ کے علم میں بے مثل تھے انہوں نے حدیث کی ایک جامع کتاب مؤطا لکھی جسے حضرت شاہ ولی اللہؒ نے فقہ حنفی اور شافعی میں امر مشترک تسلیم کیا ہے۔ جہاں جہاں یہ کتاب پہنچی مالکی مذہب پھیلتا گیا۔ ان کے بعد ان کے شاگردوں نے اپنے استاد کے مذہب کے اصول اور دلائل کو ترتیب دی، موطا کی تلخیص کی۔ اس طرح مالکی مذہب کی بڑی اشاعت ہوئی۔

مذکورہ بالا مذاہبِ فقہ کی بنیاد پڑ چکی تو امام شافعیؒ پیدا ہوئے۔ انہوں نے مذکورہ بالا دونوں مذاہب کے اصول وفروع کو دیکھ کر اور ان کی کلیات وجزئیات پر نظر کر کے ان باتوں کو جو ان کے نزدیک ان مذاہب میں ناقص تھیں درست کیا اور نئی طرز کے فقہ کے اصول اور قواعد کو ترتیب دیا۔ اسی موضوع پر انہوں نے ایک کتاب تالیف کی۔ اس میں احادیث مختلف جمع کرنے کے قاعدے مرتب کیے اور احادیث مرسل اور منقطع پر ضروری شرائط کے بغیر استناد ترک کیا۔ واضح رہے کہ امام شافعیؒ کے زمانہ میں احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو چکا تھا۔

شاہ ولی اللہؒ نے حجاز پہنچ کر محسوس کیا کہ اسلامی بین الاقوامی سیاست میں عرب وعجم کو آپس میں متفق ہونا چاہیے۔ اس لیے انہوں نے عربوں اور عجمیوں کی فقہ کی اصل یعنی مؤطا امام مالکؒ کو تسلیم کر کے حنفی اور شافعی مذاہب فقہ کو ایک درجہ پر مان لیا۔ حنفی فقہ ہندوستان اور ترکستان میں زیادہ زور اسخ تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زوالِ بغداد کے بعد وہاں کی فارسی بولنے والی قومیں جب ہندوستان آئیں تو وہ حنفی فقہ اپنے ساتھ لائیں لیکن عربی قومیں جو مصر اور مغرب کی طرف گئیں وہ شافعی اور مالکی مذہب رکھتی تھیں۔

غرض شاہ صاحبؒ اس نتیجہ پر پہنچے کہ فقط حنفی فقہ تمام مسلمانوں کو جو علاوہ فارسی کے عربی بھی بولتے ہیں ایک نقطہ پر جمع کرنے کے لیے کافی نہیں ہے اس اعتبار سے دیکھا جائے تو شاہ ولی اللہ مذہب حنفی اور شافعی میں مجتہد منتسب کی حیثیت رکھتے ہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ امام شافعیؒ کے شاگرد تھے۔ انہوں نے بھی امام شافعیؒ ہی کا مسلک اختیار کیا یعنی جب احادیث کا ذخیرہ جمع ہو گیا تو انہوں نے صحابہ کے اقوال بہ استدلال ترک کر کے احادیث کی طرف رجوع کیا اور جو مسئلہ وہ قرآن اور احادیث میں نہ پاتے اس کے متعلق قرآن اور سنت کی روشنی میں غور و فکر کرتے۔

غرضیکہ ان ائمہؒ میں سے کسی نے بھی اپنے فقہی مذہب کی اس لیے طرح نہیں ڈالی تھی کہ لوگ ان کی شخصی تقلید کریں اور نہ اپنے آپ کو صاحب مذہب کہلوانے کے لیے انہوں نے شرعی مسائل میں اجتہاد اور استنباط کیا تھا۔ ان کے دل میں مقتدا بننے کی بھی بالکل خواہش نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اکثر اپنی شخصی تقلید سے لوگوں کو منع فرماتے۔ اور اگر کوئی مسلمان فرمانروا چاہتا کہ ان کی مرتب کردہ کتاب فقہ کو تمام لوگوں میں مشتہر کرے تو وہ اس کو ایسا کرنے سے روکتے۔

مذاہب اربعہ میں اختلاف کے اسباب

مسلمانوں میں اختلاف دو قسم کا رونما ہوا۔ اول اختلاف عقائد میں۔ دوسرا اختلاف مسائل اور فروع میں۔ جو شخص عقائد اور اصول میں مخالف ہے وہ اہل سنت کے گروہ سے خارج ہے۔ مثلاً معتزلہ، قدریہ، مرجیہ اور خوارج وغیرہ اس قسم کا اختلاف نہ تو صحابہ نہ تابعین نہ تبع تابعین اور نہ ائمہ میں پیدا ہوا بلکہ یہ سب عقائد اور اصول میں متفق ہے یہی وجہ ہے کہ چاروں مذاہب فقہ اہل سنت ہی کہلاتے ہیں۔ مسائل اور فروع سے فقہ کے مسائل مراد ہیں اور ان مسائل میں البتہ چاروں مذاہب میں اختلاف ہے۔ صحابہ بھی اختلاف رکھتے تھے۔ اس اختلاف کے اسباب حسب ذیل ہیں۔

صحابہ کے اقوال و افعال اور احکام و مسائل کا مدار ہمیشہ قرآن اور احادیث پر رہا ہے۔ قرآن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جمع ہو گیا تھا اور اسی لیے کسی ایسے مسئلہ میں جو قرآن میں موجود ہے باہم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اختلاف نہیں ہوا۔ اس کے برعکس احادیث نبوی آپ کے سامنے جمع نہ کی گئیں۔ اس لیے جن مسائل کا استخراج حدیث پر موقوف نہ تھا۔ ان میں اختلاف پیدا ہوا۔ اس کے کئی اسباب ہیں جو حضرت شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغۃ میں جمع کیے ہیں۔

۱۔ اختلاف سماعت

یعنی ایک صحابی نے حدیث نبوی کو سنا۔ اس سے دوسرے صحابی نے سنا اور عمل کیا مگر ایک صحابی جس کو یہ حدیث پہنچی ہی نہیں جب اس کو ویسا معاملہ پیش آیا تو اس نے اجتہاد سے کام لیا۔ اگر اس کا اجتہاد حدیث کے مطابق ہوا تو دونوں صحابی متفق ہو گئے۔ اگر اجتہاد میں خطا ہوئی تو دونوں میں اختلاف ہوا۔

۲۔ ترکِ اجتہاد

یعنی کسی صحابی کا اپنے اجتہاد سے رجوع کرنا مثلاً ایک صحابی نے کسی امر میں اجتہاد کیا۔ اس سبب سے کہ اس بارے میں حدیث اسے نہ پہنچی تھی۔ پھر جب اس کو وہ حدیث مل گئی تو اس نے اپنے اجتہاد کو ترک کر دیا اور حدیث پر عمل کیا لیکن جن لوگوں نے اس صحابی کے اجتہاد کو سنا اور انہیں ان کے اس رجوع کرنے کی خبر نہ ملی۔ انہوں نے اس صحابی کے قول پر عمل کیا اور اس طرح اس صحابی کا یہ فعل اختلاف کا باعث ہوا۔

۳۔ اشتباہ فی الحدیث

جب حدیث کا راوی ضعیف ہوتا اور حدیث کی صحت میں کسی قسم کا شک وشبہ کیا جاتا تو اس صورت میں صحابہ اپنے اجتہاد پر قائم رہتے اور اس حدیث کو صحیح نہ جان کر اس پر عمل نہ کرتے۔ اس طرح اختلاف کی راہیں کھل گئیں۔

۴۔ سمجھ میں اختلاف ہونا

یعنی مختلف صحابیوں نے پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کام کرتے ہوئے دیکھا اور اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اسے سمجھا۔ اس طرح ایک نے دوسرے سے اختلاف کیا۔

۵۔ سہو ونسیان

اختلاف کی وجہ یہ بھی ہوئی کہ کسی صحابی نے جو کچھ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا یا آپ کو کرتے دیکھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ اسے بھول گیا لیکن دوسروں نے یاد رکھا۔

۶۔ اختلافِ ضبط

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا۔ بعض صحابہ نے اس کا مطلب کچھ اور سمجھا جیسا کہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ مردہ کو اس کے گھر والوں کے رونے سے عذاب ہوتا ہے۔ اس حدیث کو حضرت عائشہ نے سن کر کہا کہ یہ صحیح نہیں ہے اور راوی نے غلطی کی ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہودی کے جنازہ پر گزرے اس کے گھر والے رو رہے تھے۔ آپ نے فرمایا یہ تو روتے ہیں اور وہ عذاب میں مبتلا ہے۔

۷۔ علت حکم میں اختلاف ہونا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم یا سنت کی کوئی علت قائم کر کے اس میں اختلاف کرنا مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ ایک جنازہ کو دیکھ کر رک گئے۔ کسی نے اس قیام کی علت تعظیم ملائکہ خیال کی کسی نے ہولِ قیامت۔

۸۔ دو مختلف حدیثوں کے جمع کرنے میں اختلاف ہونا۔

یہ مسلّم ہے کہ عادات مباحات اور سنن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرق نہ فرماتے تھے اور جو صحابی صاحب علم تھے وہ عادات کو عبادات سے اور سنن کو واجبات سے جدا کرتے اور جو اس میں تمیز نہ کرتے وہ سب کو عبادات اور واجبات ہی خیال کر کے اختلاف عادات کو اختلاف فی العبادات جانتے۔

تقلید و اجتہاد

مذاہب اربعہ میں مذکورہ بالا اختلاف کے باوجود حضرت شاہ ولی اللہؒ ان کو مساوی مانتے تھے اور ان کی پیروی پر زور دیتے تھے۔ اس سلسلے میں وہ جس تقلید کے معتقد تھے۔ اس کے بارے میں مولانا خیر محمد صاحب لکھتے ہیں:۔

"تقلید کا اچھا ہونا یا برا ہونا معتقد فیہ کے احوال پر موقوف ہے مگر معتقد فیہ غیر مطیع (فاسق وفاجر یا مشرک و کافر) ہو تو تقلید حرام و قبیح ہے۔ قرآن و سنت میں اس کی ممانعت جا بجا وارد ہے اور اگر معتقد فیہ مطیع اور لائق اتباع (امام و مجتہد) ہو تو تقلید حسن اور بعض حالات میں واجب ہے۔ قرآن و حدیث اس کی تاکید سے مملوء ہے اور یہی امتِ مرحومہ میں رائج و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مشہور ہے اور حضرت شاہ صاحب اس تقلید کے معتقد ہیں[۱]"

شاہ ولی اللہ نے اپنے اس نقطۂ نظر کو بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

معرفت شریعت میں تمام امت نے بالاتفاق سلف پر اعتماد کیا اور تبع تابعین نے تابعین پر اعتماد کیا۔ ہر ہر طبقہ میں پچھلے علماء پہلے علماء پر اعتماد و اعتبار کرتے چلے آئے ہیں"[۲]

اس ضمن میں حضرت شاہ صاحب نے تقلید کی دو قسمیں بتائی ہیں۔ تقلید شخصی و غیر شخصی۔ ائمہ اربعہ کے مذاہب کی تدوین سے قبل دوسری صدی کے آخر تک غیر شخصی تقلید کا رواج رہا حتیٰ کہ صحابہ و تابعین میں بھی اس کا دستور تھا۔ ائمہ اربعہ کے مذاہب فقہ چوتھی صدی ہجری میں مدوّن ہوئے۔ اس کے بعد چاروں مذاہب کی تقلید شخصی شروع ہو گئی۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں:۔

"جب بجز مذاہب اربعہ دوسرے مذاہب حقہ منہدم ہو گئے تو انہیں چاروں کا اتباع سوادِ اعظم کا اتباع ٹھہرا اور ان سے نکلنا سوادِ اعظم سے نکلنا ہوا"[۳]

دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ:۔

"ہندوستان میں عوام کے لیے مذہب حنفی کی تقلید کا ترک کرنا حرام ہے"[۴]

ان کی عربی عبارت کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

"جب ایک عامی انسان علاقہ ہندوستان اور ماوراء النہر میں رہنے والا ہو۔ جہاں کوئی عالم شافعی، مالکی اور حنبلی اور ان کی کتب مذہبیہ میسر نہ آسکتی ہوں تو اس پر واجب ہے کہ صرف امام ابوحنیفہ رح کے مذہب کی تقلید کرے اور ان کے مذہب سے علیحدہ ہونا اس کے لیے حرام ہے۔ کیونکہ وہ اس وقت شریعت کی رسی اپنی گردن سے نکال کر مہمل بیکار رہ جائے گا"[۴]

اجتہاد کے بارے میں فرماتے ہیں:

"بہ یقین معلوم شد کہ طریق اجتہاد و فقہ امروز مسدود است الا از یک وجہ کہ مؤطا را پیش گیرند و وصل مرسل آں و مآخذ اقوال صحابہ و تابعین بشناسند و نظر مجتہدانہ اختیار کنند و تعصبات شافعی و غیر آں در نظر دارد۔ بعد از آں جہد کند بعلم احکام الٰہی و یقین یا غالب رائے حاصل کند۔ بدلالت دلائل بر آں مسائل"[۵]

---

[۱] الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر ص ۳۰، ۳۴ [۲] عقد الجید مصنفہ شاہ ولی اللہ رح [۳] ایضاً [۴] انصاف ص ۷۱ [۵] المصفّٰی مصنفہ شاہ ولی اللہ رح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس طرح شاہ صاحب تقلید اور اجتہاد دونوں کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک اگرچہ تقلید کی بنیاد دوسری صدی کے وسط میں شروع ہوئی اور اس وقت یہ تقلید غیر شخصی تھی۔ البتہ اس کی تقلید چوتھی صدی میں ہوئی۔ ابو طالب مکی نے قوت القلوب میں لکھا ہے کہ:۔

"چوتھی صدی سے پہلے مذاہبِ اربعہ کی تقلید کا رواج نہ تھا اور لوگ اپنے آپ کو حنفی یا شافعی نہیں کہتے تھے بلکہ وہ ہر مذہب کے عالم سے ضرورت کے مطابق مسائل دریافت کرتے۔ لوگوں میں کچھ اہلِ حدیث اور کچھ صاحب اجتہاد تھے اور ان میں کچھ مقلد بھی تھے اگرچہ مقلدین کی تعداد نہ تھی مگر وہ تیسری صدی ہجری میں بھی موجود تھے۔ اہلِ حدیث کا طریقہ یہ تھا کہ وہ کتابِ الٰہی، حدیث نبوی اور آثار صحابہ پر عمل کرتے۔ اور اشد ضرورت کے وقت کسی فقیہ کی طرف رجوع کرتے۔ خواہ وہ فقیہ مکی ہو یا مدنی، کوفی ہو یا بصری۔ اور جو صاحب اجتہاد تھے وہ اجتہاد اور تخریج کرتے۔ اصول اور قواعد کو سامنے رکھ کر ان سے فروعات کا استنباط کرتے۔ اگر ان کے یہ اصول و قواعد کسی امام کے ساتھ مخصوص ہوتے تو لوگ اس مجتہد کو بھی اس امام کی طرف منسوب کرتے۔ یہ صورت تیسری صدی کے آخر تک قائم رہی۔ اس وقت تک نہ عمل بالحدیث پر کوئی طعن کرتا اور نہ اجتہاد پر الزام دیتا۔ مگر چوتھی صدی ہجری میں حالات دگرگوں ہو گئے۔ سلاطین عباسیہ کے سامنے مناظرے اور مجادلے ہونے لگے۔ دوسروں پر غالب آنے کے شوق نے لوگوں کے دلوں میں لالچ پیدا کر دیا اور انہوں نے علم کو دنیا کی تحصیل کا ذریعہ سمجھنا شروع کر دیا۔ وہ اپنے ائمہ کے اقوال کو مثل کتاب اور سنت کے مستند گردانتے۔ یہاں تک کہ کورانہ تقلید کے جذبے میں لوگ حقائق سے غافل ہو گئے۔ اس طرح فقہ، حکمت اور علم کی حقیقت کھو جاتی رہی اور مباحثات و مناظرات کا نام استنباط و دقائق شرع رکھا گیا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ جو کوئی علم الکلام کے جاننے والا ہوتا اسے لوگ جامع منقول عالم سمجھتے"۔

جیسا کہ امام غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں:۔

یعنی جو لوگ جھگڑالو اور چرب زبان ہوتا اس کو لوگ عالم جانتے اور جو بیہودہ قصے بیان کرنے والا اور خرافات بکنے والا ہوتا اس کو سب لوگ عالم کہتے۔ غرض اس طرح تقلید جو دوسری صدی میں شروع ہوئی۔ چوتھی صدی میں پوری ہو گئی۔ اور یہ وہ وقت تھا جب کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قال اللہ وقال الرسول کی جگہ قال زید وقال عمر رائج ہو گیا اور فقہی امور میں بجائے عقلی دلائل کے نقل سے کام لیا جانے لگا اور بغیر کسی سند یا قول کے بات نہ بنتی تھی۔ جب قرآن اور سنت میں انہیں اپنے اقوال کے اثبات میں سند نہ ملتی تھی تو انہوں نے اپنے شیوخ کے اقوال کو بطور سند پیش کرنا شروع کر دیا اور انہی کو حجت گردانا۔ جس طرح موضوع احادیث کو اس زمانہ میں صاحب الشریعت کی طرف منسوب کیا جاتا۔ اسی طرح اس زمانہ میں علماء اور فقہاء کے اقوال سند میں پیش ہونے لگے۔ نیز فقہاء کے قول کی عزت زیادہ کرنے کے لیے اکثر جھوٹی باتیں ان کی طرف منسوب کی جانے لگیں۔ موضوع احادیث کو الگ کر کے علماء نے ان کی موضوعیت کو تو بیان کر دیا۔ لیکن فقہاء کے اقوال موضوعہ کو ان کے اقوال صحیحہ سے جدا کرنے پر اس طرح کسی نے توجہ نہ کی۔"

علامہ اقبال مرحوم نے اپنی کتاب "تشکیل جدید الہیات اسلامیہ" کے خطبۂ ششم میں جس کا عنوان "ہیئت اسلامی میں اصول حرکت" ہے فقہ اسلامی پر بحث کرتے ہوئے تقلید شخصی کا ذکر تو کیا ہے۔ لیکن تقلید غیر شخصی کے متعلق انہوں نے سکوت اختیار کیا ہے۔ وہ اپنے مذکورہ بالا خطبہ میں لکھتے ہیں کہ:

"بعض مغربی مصنفوں نے ترکوں کو تقلید اور جمود کا ذمہ دار قرار دیا ہے لیکن یہ نظریہ بالکل سطحی ہے۔ اس لیے کہ تاریخ اسلام میں ترکی اثر ونفوذ کارفرما ہونے سے بہت پہلے فقہی مذاہب مستقل بنیادوں پر قائم ہو چکے تھے۔ اور مسلمانوں نے اجتہاد کا دروازہ بند کر لیا تھا۔ ان کے نزدیک تقلید کی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ تحریک عقلیت (Rationalism)

اسلام میں عہد عباسیہ کے آغاز میں پیدا ہوئی اور اس تحریک نے تلخ اختلافات کو جنم دیا۔ آخری خلفائے عباسیہ کو عقلی آزاد خیالی سے خطرہ محسوس ہوا تو ملک اور قوم کو انتشار سے بچانے کے لیے انہوں نے تمام شریعت اور فقہ کو جامد کر دیا۔

۲۔ متاصل تصوف کا آغاز اور اس کی ترقی

اس نے تدریجی طور پر غیر اسلامی اثرات کے تحت ایک خالص قیاسی پہلو تعمیر کیا تھا۔ بڑی حد تک تقلید اس طرز عمل کی ذمہ دار ہے۔ تصوف کی عقلی توجہات میں غیر اسلامی عناصر نفوذ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر چکے تھے لیکن مذہبی حیثیت سے وہ فقہاء کی دور از کار موشگافیوں کے خلاف ایک ردعمل تھا۔ اس طرح تصوف عقلیت اور آزاد خیالی کا حامی ہو گیا تھا۔ فقہاء کی ظاہر پرستی سے بیزار ہو کر صوفیائے کرام نے ظاہری شریعت کو ترک کر کے تصوف کی راہ اختیار کر لی۔ تصوف کے اس طرز فکر نے اسلام کا معاشرتی نظام آنکھوں سے اوجھل کر دیا اور نفوس عالیہ کو تصوف نے اپنا گرویدہ بنا لیا۔ عوام کی رہبری کے لیے نہایت ہی معمولی قابلیت کے آدمی رہ گئے۔ اب عوام کے لیے تقلید کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔

۴۔ تیرہویں صدی کے وسط میں بغداد کی تباہی سے کتب خانے تباہ ہو گئے۔ نیز علماء کثرت سے شہید ہو گئے۔ ان حالات میں اجتہاد کو روکا گیا۔'

اقبال لکھتے ہیں کہ:

"ہنگامی طور پر یہ طریق غلط نہ تھا۔ مگر بعد میں تقلید شیوۂ ملت بن گئی اور تباہی کا موجب ہوئی۔"

۵۔ اگر ہم غور کریں تو معلوم ہو گا کہ شاہ ولی اللہ کے زمانہ میں بھی حالات اجتہاد کے لیے سازگار نہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے ہندوستان میں فقہ حنفی کی تقلید پر زور دیا۔ تاہم وہ اجتہاد کے خلاف نہ تھے

مولانا آزادؒ

کچھ لوگ مولانا عبدالباری صاحب کا نام لے رہے ہیں۔ موصوف کا تقوٰی و استقامت مسلّم ہے مگر مزاج کی کیفیت سے آپ بھی واقف ہیں۔ شیخ نے سادگی سے جواب دیا، مولانا عبدالباری کے بہترین آدمی ہونے میں شبہ نہیں مگر منصب کی ذمہ داریاں کچھ اور ہی ہیں۔ عرض کیا اور مولانا ابوالکلام آزاد کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ شیخ نے متانت سے فرمایا، میرا انتخاب بھی یہی ہے۔ اس وقت مولانا آزاد کے سوا کوئی شخص "امام الہند" نہیں ہو سکتا۔ ان میں وہ سب اوصاف جمع ہیں، جو اس زمانے میں ہندوستان کے امام میں، ہونا ضروری ہیں .... عرض کیا اس گفتگو کو پبلک میں لا سکتا ہوں۔ انہوں نے اجازت دیدی۔"

حضرت شیخ الہند کی جانب سے مولانا آزاد کی امامت کی تائید گویا تمام علمائے دیوبند کی اور جمعیۃ العلماء ہند کی تائید و حمایت کا اعلان تھا۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف اس وقت اس حلقے کی طرف سے مولانا کی امامت کی مخالفت میں کوئی آواز نہیں اٹھی بلکہ ہمیشہ ملکی سیاست اور ملی مسائل میں ان کی قیادت پر اعتماد اور ان کی رائے کو اہمیت دی گئی۔

© rasailojaraid.com